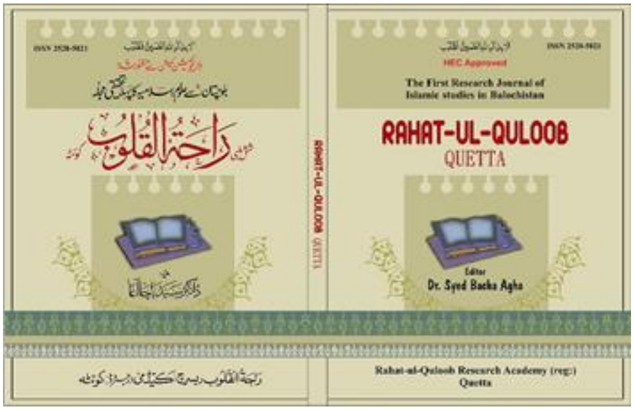

This work is licensed under a [Creative Commons Attribution 4.0 International License](https://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)

RAHAT-UL-QULOOB
Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2025-5021. (E) 2521-2869
Project of **RAHATULQULOOB RESEARCH ACADEMY,**
Jamiat road, Khiljiabad, near Pak-Turk School, link Spini road, Quetta, Pakistan.
Website: www.rahatulquloob.com
Approved by Higher Education Commission Pakistan
Indexing: » Australian Islamic Library, IRI (AIOU), Tahqeeqat, Asian Research Index, Crossref, Euro pub, MIAR, ISI, SIS.

TOPIC

عبادات کے باب میں امام ابن تیمیہؒ کے اختلاف کی نوعیت اور ثمرات

The nature and implications of Imam Ibn Taymiyyah's disagreement in Islamic rituals

AUTHOR
1. Muhammad Usman Haider, Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, Hitech University, Taxila, Pakistan. Email: usaidhaider7@gmail.com

How to Cite: Muhammad Usman Haider. (2022). URDU: عبادات کے باب میں امام ابن تیمیہؒ کے اختلاف کی نوعیت اور ثمرات: The nature and implications of Imam Ibn Taymiyyah's disagreement in Islamic rituals. *Rahat-Ul-Quloob*, *6*(2), 137-154. https://doi.org/10.51411/rahat.6.2.2022/427

http://rahatulquloob.com/index.php/rahat/article/view/427
Vol. 6, No.2 || July–December 2022 || URDU-Page. 137-154
Published online: 06-08-2022

QR. Code

عبادات کے باب میں امام ابن تیمیہؒ کے اختلاف کی نوعیت اور ثمرات

The nature and implications of Imam Ibn Taymiyyah's disagreement in Islamic rituals

محمد عثمان حیدر

ABSTRACT

Difference of juristic opinion has been an evident part of Muslim jurisprudential tradition since the early period. The existence of scholarly and academic disagreement and multiple approaches signify the acceptance, And to the least tolerance to the disagreement the glory of the inclusiveness of our tradition. This article analyzes the unique juristic opinions of İBN taimiah. It explores the existing difference of opinion between İBN taimiah and other jurists in rituals. The study observes that at times he disagrees with the sahaba, taba'in as well and prefers one opinion over among the jurists of first generation. For example, in the case of Witar prayer being obligatory or not he rejects the hanfi opinion of Witat as an absolute obligation. A deeper analysis depicts in certain legal questions he disagrees with the four leading Jurists but reconciles with over the among. An example is the issue of zakah to the household of the prophet SAW. Whereas in a few issues he adopts the opinion of four schools or anyone of these or the opinion of majority like in case of facing kabah while cleaning oneself after defecation (istinja). So, it can be concluded that İbn e taimiah in his juristic opinions prefers the juristic rulings from sahabah based on his unique methodology, at times disagrees with the four jurists altogether and prefers another jurist over them and on other occasions he even assents to one of the four juristic opinions.

Keywords: Imam İbn e taimiah, juristic opinions, jurisprudential tradition, Ibadat.

اختلاف رائے کائنات کا حسن ہونے کے ساتھ ساتھ مقتضائے فطرت بھی ہے۔ معاشرے میں مثبت اختلاف رائے انسانی زندگی میں وسعتوں کی راہ ہم وار کرتی ہے۔ فقہی مسائل میں فقہائے کرام کا اختلاف بھی اسی چیز کی طرف غمازی کرتا ہے۔ زیر نظر مقالے میں جمہور فقہا اور علامہ ابن تیمیہ کے فقہی مسائل میں اختلاف کی نوعیت اور کیفیت کو دلائل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ نیز جمہور فقہائے کرام اور ابن تیمیہ کے مناہج پر بھی سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ علامہ ابن تیمیہ فقہی مسائل میں متنوع حیثیت کے حامل ہیں۔ وہ کبھی جمہور فقہا سے موافقت کرتے ہیں تو کبھی کسی ایک صحابی یا تابعی کی رائے پر فیصلہ سنا دیتے ہیں۔ اسی طرح کبھی جمہور فقہا سے تو عدم موافقت ہوتی ہے لیکن دیگر فقہا سے موافقت نظر آتی ہے۔ نیز کبھی جمہور فقہا میں سے کسی ایک کی رائے کی حمایت کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ علامہ ابن تیمیہ فقہی میدان میں اپنی منفرد آرا کے باعث ایک جداگانہ شخصیت کے حامل ہیں۔

مستقل نماز نہ پڑھنے والے کا حکم

صورت مسئلہ: اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ایک لمبے عرصے تک نماز نہیں پڑھتا، پھر احساس ہونے پر نماز شروع کرتا ہے آیا اس کو قضاء

نمازوں کے اعادہ کا حکم دیا جائے گا یا نہیں ؟ قضا کا مطلب لوٹانا یا اعادہ یا چھوڑی ہوئی چیز کو پورا کرنا ہے۔ بلاوجہ نماز کو قضا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ مندرجہ ذیل اشخاص پر نماز کا اعادہ باالاتفاق لازم ہے یعنی اگر ان سے نماز چھوٹ جائے تو انھیں چاہیے کہ وہ اسے ہر صورت لوٹائیں۔

1: اگر کوئی شخص سو جاتا ہے اور اس اثنا میں نماز کا وقت جاتا رہتا ہے تو اس پر لازم ہے جب بیدار ہو تو نماز قضا کرے۔

2: اگر کوئی شخص یہ بھول جاتا ہے کہ نماز کا وقت ہے یا اس نے نماز نہیں پڑھی تو جب اسے یاد آئے وہ اپنی نماز لوٹائے۔

3: جو شخص نشہ میں مبتلا ہو، اسے جب ہوش آئے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی نماز کا اعادہ کرے۔

مندرجہ ذیل صورتیں اختلافی ہیں:

1: مجنون شخص جب اپنی دیوانگی سے باہر آئے تو اس پر نماز کی قضاء ضروری نہیں ہو گی چاہے اس کا جنون کم ہو یا زیادہ۔ احناف کے علاوہ جمہور کا یہی مسلک ہے۔

2: اسی طرح اگر کوئی شخص بے ہوش ہے تو اس کا زمانہ بے ہوشی زیادہ ہے یا کم، مالکیہ، شوافع اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ اس پر قضا لازم نہیں ہے۔

3: اگر کسی شخص ک کا ہوش انجکشن یا دوا کی وجہ سے جاتا رہتا ہے، تو احناف، حنابلہ اور ابن عثیمین کا مسلک یہ ہے کہ وہ قضا نماز کو ادا کرے گا، چاہے اس اثر کی مدت کافی لمبی ہی کیوں نہ ہو۔[1]

تارک صلوۃ یعنی مستقل نماز چھوڑے رکھنے والے شخص کے بارے ایک بات اتفاقی ہے اور ایک بات اختلافی ہے۔ اگر کوئی شخص مستقل نماز چھوڑتا ہے اور اس سوچ کے ساتھ چھوڑتا ہے کہ اس کی ادا ضروری نہیں ہے تو بالاتفاق وہ کافر ہے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے محمد بن نصر مرزویؒ نے کہا کہ جس شخص نے تکبر، عناد کی وجہ سے سجدہ نہ کیا وہ تو ابلیس کی مثل ہے کیوں کہ اس نے بھی تکبر کی وجہ سے آدم کو سجدہ نہیں کیا تھا جب کہ اللہ تعالی نے حکم بھی دیا تھا۔[2] لہذا اگر کوئی شخص نماز بھی اسی رویہ اور سوچ کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے تو اس نے بھی لازما کفر ہی اختیار کیا۔ اگر کوئی شخص سستی اور اعمال میں کمزوری کی بنا پر مستقل نماز چھوڑتا ہے تو احناف کا مسلک یہ ہے کہ اسے محبوس کر دیا جائے گا اور مارا جائے گا اور اسے نماز کی تلقین کی جائے گی۔ وہ کافر نہیں ہے۔ اسے قتل بھی نہیں کیا جائے گا۔

ابو محمد علی بن زکریا المنبجیؒ نے احناف کا مسلک بیان کرتے ہوئے باقاعدہ ایک باب سستی کی وجہ سے نماز چھوڑنے والے کت متعلق قائم کیا ہے[3] اور اپنے مسلک کی دلیل دی کہنماز، روزہ، زکوۃ اور حج اسلام کے بنیادی ارکان ہیں جس طرح نماز کے علاوہ دیگر میں ترک پر قتل نہیں کیا جائے گا اسی طرح نماز کے ترک پر بھی قتل نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالی قران میں ارشاد فرماتے ہیں پس جو شخص توبہ کرے، نماز پڑھے، زکوۃ ادا کرے پس اس کا راستہ چھوڑ دو یعنی اسے کچھ نہ کہیں۔[4] لہذا ان افعال کی موجودگی بھی زوال قتل کا باعث ہے اور ان کو صرف تسلیم کر لینا بھی زوال قتل کا باعث ہو سکتا ہے، فعل کا عملا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ احناف کے علاوہ امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن شافعیؒ اور مالکؒ کے نزدیک حدا قتل کیا جائے گا اور احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ارتدادا قتل کیا جائے گا۔ ابو شجاع محمد بن علیؒ امام شافعیؒ اور امام مالک کا مسلک یہی بیان کیا۔[5]

امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کی دلیل دیتے ہوئے کہا کہ ایمان اور کفر کے درمیان نماز ہے آپ ﷺ نے نماز چھوڑنے کو کفر فرمایا۔ حافظ اشبیلی نے جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے کی تکفیر صحابہ کی طرف منسوب کی ہے۔[6] لیکن سستی یا اعمال میں کمزوری کی بنا پر مستقل نماز چھوڑنے والا شخص اگر توبہ کر لیتا ہے تو آیا اسے پچھلی ساری نمازوں کی قضا کرنی ہو گی یا نہیں؟ اس معاملے میں جمہور ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ شخص قضا کرے گا۔[7] جمہور اس معاملے میں درج ذیل ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں، جن میں ہے کہ جو شخص نماز بھول جائے تو یاد آنے پر پڑھ لے کوئی کفارہ نہیں ہے۔[8] اسی طرح ایک دوسری روایت میں اسی کے قریب قریب الفاظ مذکور ہیں۔[9] جمہور کا اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ بس جو رہ گئی سو رہ گئی بلکہ فرمایا جب یاد آئے تو اسے پڑھے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ جو نماز قضاء ہو جائے اس کی ادا لازم ہے۔ جمہور اس معاملے میں ابن عمرؓ کا بعینہ اسی مفہوم پر مشتمل اثر نقل کرتے ہیں[10] لیکن امام ابن تیمیہؒ اس مسئلے میں فرماتے ہیں ایسی نمازوں کی قضا نہیں ہو گی بلکہ اس نماز کی قضا ہو گی جو حال ہی میں قضا ہوئی ہے، وہ توبہ کرے اور نفل نماز زیادہ پڑھے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ سے یہی ثابت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا نماز کو وقت پر پڑھو اور اس کے ساتھ نوافل ادا کرو، اور فرماتے ہیں ویسے بھی وقتی نماز کو ضائع کرنے والے میں اور مستقل تارک نماز میں تمام سلف فرق کرتے ہیں اس لیے اس معاملے میں بھی فرق روا رکھا جائے گا۔[11]

مسافر اگر مشقت محسوس کرے تو موزہ کی مدت مسح لامحدود ہو گی

صورت مسئلہ: اگر مسافر حالت سفر میں ایسی حالت سے دوچار ہو جائے جس میں نئے سرے سے طہارت حاصل کر کے موزہ پہننا مشکل ہو یا اسے اتارنا نقصان دہ بن جائے تو اس صورت میں حکم کیا ہو گا؟ اس سوال کو سمجھنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ مدت مسح کتنی ہے اور مسح کس حالت میں جائز ہے۔ ابن ہمامؒ کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک مقیم کے لیے مسح کی مدت ایک دن اور رات اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں ہیں۔[12] امام مالکؒ مقیم کے لیے مسح کے قائل نہیں ہیں اس بات کو امام محمدؒ اپنی کتاب مؤطا امام محمد میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم نے مسح کی روایات کو امام مالکؒ سے لیا ہے اور انھیں روایات پر اماا عظم ابو حنیفہؒ نے اپنی رائے قائم کی ہے[13] لیکن حیرت ہے امام مالکؒ پر کہ وہ یہ تمام روایات بھی بیان کرتے ہیں اور پھر یہ رائے بھی اختیار کرتے ہیں کہ مسافر کے لیے مسح علی الخفین کی اجازت ہے لیکن مقیم کے لیے مسح کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ وہ وضو ہی کرے گا۔ اگر کوئی شخص حالت سفر میں ہو اور اس کی مدت مسح مکمل ہو چکی ہو لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے موزے اتارنے سے قاصر ہو تو پھر کیا حکم ہو گا مثال کے طور پر وہ کسی برفانی علاقے میں ہے جیسے سیاچن، یا دشمن سے جنگ چل رہی ہے اگر موزے اتارتا ہے اور پھر وضو کر کے پہنتا ہے تو وقت زیادہ لگے گا اور اس دوران خطرہ ہے کہ دشمن کوئی نقصان نہ پہنچا دے، یا کسی جانور کا خوف ہے مثلاً سانپ وغیرہ یا کسی درندے کا کہ کہیں وہ نہ حملہ کر دے یا کسی قافلے کے ساتھ ہے اگر نئے سرے سے وضو کرتا ہے تو خطرہ ہے کہ اپنے قافلے سے بچھڑ نہ جائے اور خاص طور پر جب راستہ بھی معلوم نہ ہو تو اس صورت میں وہ کیا کرے؟

اس معاملے میں فقہاء کی عام رائے یہ ہے کہ مدت تو تین دن اور تین رات ہی ہے اس لیے اگر مدت مکمل ہو گئی ہے تو اسے چاہیے کہ وضو کرے یعنی نئے سرے سے پاؤں کی طہارت حاصل کرے اور اگر یہ نہیں کر سکتا تو اس صورت میں تیمم کرے کیوں کہ وہ وضو یعنی دھونے کا خلیفہ ہے۔ امام ابن تیمیہؒ کی رائے یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس جو احادیث مسح کے حوالے سے آتی ہیں، یہ درست ہے کہ ان میں تین

دن اور تین راتوں کی بات کی گئی ہے لیکن دیکھنا یہ چاہیے کہ آیا اس سے زیادہ کی نفی الفاظ میں موجود ہے یا مفہوم مخالف کے اعتبار سے ہم اخذ کر رہے ہیں تو یہ بات واضح ہے کہ ہم یہ نفی اور انکار مفہوم مخالف کے اعتبار سے اخذ کر رہے ہیں نہ کہ یہ نفی الفاظ موجود ہے اور اپنے مؤقف کی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عقبہ بن عامرؓ بھی جب دمشق کی فتح کی خبر دینے کے لیے مدینہ آئے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ موزے پہنے ہوئے کتنے دن ہوگئے تو عرض کی کہ ایک ہفتہ ہو گیا ہے ابھی تک نہیں اتارے تو آپ نے جوابا ارشاد فرمایا کہ تو نے سنت کو پالیا۔[14]

مسافر کے لیے مدت تین دن اور تین راتیں ہی ہے لیکن اس وقت جب اسے کوئی مجبوری لاحق نہ ہوا گر اسے کوئی مجبوری پیش آجاتی ہے تو اس صورت میں اس کے لیے بھی وہی حکم ہوگا جو اس شخص کے لیے ہے جس کا جسم کا کوئی حصہ زخمی ہے یا متاثر ہے اور اس نے پٹی باندھ رکھی ہے اب پٹی اتارنے سے یا پانی لگانے سے نقصان کا خطرہ ہے تو اس صورت میں اسے مسح کا حکم ہے اور اس مسح کی مدت غیر متعین ہے جب تک زخم ٹھیک نہ ہو مسح کر سکتا ہے اسی طرح اب موزے پر مسح کرنے والا کا حکم ہو گا کہ اسے بھی اجازت ہو گی وہ جب تک حالت امن یا سکون میں نہ آجائے اس وقت مسح کرتا رہے کیوں کہ یہ ایسے ہی جیسے وہ شخص جس نے پاؤں پر مجبوری کی وجہ سے پٹی باندھی ہوئی ہے اب جب تک اس کو پٹی سے چھٹکارا نہیں ملے گا اس وقت تک یہ پاؤں کا مسح ہی کرے گا۔

وتر نماز کا حکم

صورت مسئلہ: جو شخص رات کو تہجد پڑھنے کا عادی ہے اس کے لیے وتر واجب ہیں یا سنت؟ وتر ایسی نماز ہے جو عشاء کے بعد سے لے کر صبح کے طلوع ہونے تک پڑھی جاسکتی ہے۔ وتر کی رکعتیں کتنی ہیں اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

احناف کے نزدیک وتر واجب ہیں اس لیے انھیں ہر حال میں پڑھا جائے گا۔ احناف کا مستدل چند روایات ہیں جس سے ان کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن بریدؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا جو وتر نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اس قدر تنبیہ کے ساتھ آپؐ کا یہ فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے وتر کی نماز واجب ہے۔ دوسرا آپؐ نے فرمایا تھا کہ جو شخص سو جائے اور وتر کی نماز نہ پڑھ پائے اسے چاہیے کہ وہ جب بیدار ہو تو اسے پڑھ لے۔[15] دوسری روایت میں فرمایا جو وتر کی نماز سونے کی وجہ سے نہ پڑھ پائے اسے چاہیے کہ صبح سے پہلے پہلے اسے پڑھ لے۔[16] ان روایات سے بھی پتا چلتا ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے اگر واجب نہ ہوتی تو قضا کا حکم نہ ہوتا۔ مصنف ابن عبد الرزاق میں ہے کہ وتر حق ہے پس جو یہ پسند کرتا ہے کہ پانچ رکعت وتر پڑھے اسے چاہیے کہ پانچ پڑھ لے، جو تین پڑھنا پسند کرے وہ تین پڑھ لے اور جو ایک پڑھنا چاہے وہ ایک پڑھ لے اور جو پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اشاروں سے پڑھ سکتا ہے اسے چاہیے کہ اشاروں سے پڑھے[17]۔ احناف کہتے ہیں کہ اس روایت سے بھی پتا چلتا ہے کہ وتر واجب ہے اگر واجب نہ ہوتا تو یہ ہرگز نہ کہا جاتا کہ اشارے سے پڑھ لے، اس درجہ کا حکم صرف واجب میں ہی دیا جاتا ہے۔ احناف عبد اللہ بن عمرؓ کا اثر بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ وتر واجب ہیں؟ تو ناراض ہوتے ہوئے فرمایا: اپنے دل سے پوچھ۔ پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں نے ہمیشہ وتر پڑھے[18]۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر کی نماز واجب نہیں ہے بلکہ سنت مؤکدہ ہے اس لیے اس کی قضا بھی نہیں ہوگی۔ ائمہ ثلاثہ مندرجہ ذیل آثار سے اپنی مؤقف کو مدلل کرتے ہیں۔ جس میں سے پہلا اثر حضرت علیؓ کا ہے جس میں آپؓ نے فرمایا کہ وتر کی نماز فرض نماز جیسی نہیں ہے

بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔[19] دوسرا اثر عبادہ بن صامتؓ کا ہے جس میں ان سے وتر کے بارے سوال کیا گیا تو فرمایا بہت اچھا کام ہے۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ واجب نہیں ہے۔[20] تیسرا اثر حضرت معاذؓ کا ہے وہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے (اہل کتاب) کی جانب بھیجا اور ساتھ میں فرمایا کہ "تو اہل کتاب کی ایک قوم پر تیرا گزر ہو گا، تو انھیں کلمہ طیبہ کے اقرار کی دعوت دینا، اگر وہ تیری اطاعت کر لیں تو پس خوب اچھی طرح جان لے! اللہ تعالی نے دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔[21] ائمہ ثلاثہ اس اثر کو سامنے رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر وتر واجب ہوتے تو رسول اللہ ﷺ ضرور اس کا بھی ذکر کرتے اور ساتھ میں تلقین فرماتے لیکن آپ نے صرف پانچ نمازوں کا ذکر فرمایا جس سے پتا چلتا ہے کہ ان پانچ نمازوں کے علاوہ باقی سب نمازیں نفل نمازیں ہیں، واجب نہیں ہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ کے نزدیک بھی وتر نماز عام لوگوں کیلئے یا عشاء میں پڑھنے والوں کے لیے تو سنت مؤکدہ ہی ہے۔ مجموع فتاوی میں فرماتے ہیں کہ وتر سنت مؤکدہ ہے اور اس کو مستقل چھوڑنے والے شخص کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ کسی مسلمان کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اسے چھوڑ دے۔ نفل نمازوں میں یہ سب سے افضل نماز ہے اور فرض نمازوں کے بعد سب سے زیادہ تاکید بھی انھیں کی آئی ہے[22] لیکن علامہ ابن تیمیہؒ کے نزدیک اگر کوئی شخص رات کا قیام کرتا ہے تو اس کیلئے یہ واجب ہے۔ عبیدہ سلمانیؒ کا یہ قول کہ "رات کا قیام واجب ہے اور یہ منسوخ نہیں ہوا جس طرح بکری کے دودھ کی حلت ختم نہیں ہوئی" نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ہاں جو شخص یہ ارادہ کرتا ہے کہ اس کے ساتھ وتر کی نماز کو بھی تاکہ پالے اس کے لیے معاملہ ایسے ہی ہے یعنی اس پر پھر رات کا قیام واجب ہے۔ علامہؒ یہ رائے اس لیے اختیار فرما رہے ہیں کیوں کہ اصلاً وتر قیام اللیل کا حصہ ہیں اور جب وہ واجب ہو گئی تو وتر بھی واجب ہو گئے۔ اس کی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں موجود ہے جب انھوں نے فرمایا "اہل قران وتر پڑھو، اعرابی نے کہا، رسول اللہ ﷺ ایسے فرماتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ تیرے اور تیرے اصحاب کے لیے نہیں ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ اس کے اندر اصل میں اہل قران سے خطاب ہے، ان کے علاوہ سے نہیں ہے۔ کیوں کہ وہی قیام الیل کرتے ہیں اور جو قیام اللیل کرتا ہے اس کے لیے وتر واجب ہیں اور تہجد میں پڑھنا ضروری ہیں۔[23]

علامہؒ اپنی اس رائے میں یکتا ہیں کیوں کہ اس آدھی فرضیت کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ احناف جس وجوب کو تسلیم کرتے ہیں، علامہؒ اسے تسلیم نہیں کرتے اور دوسری جانب وہ ائمہ ثلاثہ کی طرح اسے مکمل طور پر سنت مؤکدہ بھی تسلیم نہیں کرتے۔

جمع بین الصلاتین کے جواز کی نوعیت

صورت مسئلہ: اگر کوئی شخص سفر پر نکلا ہوا ہے اور منزل مقصود پر بروقت پہنچنے کی وجہ سے یا دشمن یا کسی نقصان کے ڈر سے نمازیں اکٹھی پڑھنا چاہتا تھا تو اس کے لیے جمع کی کون سی صورت جائز ہو گی اور آیا سفر میں حالت قیام میں بھی جمع بین الصلوتین جائز ہو گی یا نہیں؟ جمع بین الصلوتین کا مطلب دو فرض نمازوں کو ایک ہی وقت میں جمع کر کے پڑھنا ہے۔ جمع بین الصلوتین میں تقدیم اور تاخیر دونوں جائز ہیں یعنی اول وقت میں پڑھنا بھی جائز ہے اور آخری وقت میں پڑھنا بھی جائز ہے۔ احناف جمع صوری کے قائل ہیں یعنی پہلی نماز کو آخری وقت میں پڑھنا اور دوسری نماز کو شروع وقت میں پڑھ لینا اور ائمہ ثلاثہ جمع حقیقی کے قائل ہیں یعنی نمازوں کو ایک دوسرے کے وقت میں تقدیم اور تاخیر کے ساتھ جمع کر لینا۔[24] جمع بین الصلواتین حقیقی میں بس دو صورتیں جمہور فقہاء کے نزدیک جائز ہیں اور وہ ہے مزدلفہ اور عرفہ میں نمازوں کو اکٹھا

کرنا۔ تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ جمع بین الصلوتین ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء میں بس جائز ہے اس کے علاوہ فجر اور ظہر، فجر اور عشاء یا اسی طرح دو سے زیادہ نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ فقہاء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے جمع صوری و حقیقی دونوں صورتوں میں اول نماز اول فرض ہونے والی ہی پڑھی جائے گی یعنی پہلے ظہر پھر عشاء، مغرب اور پھر عشاء ادا کی جائے گی۔ جمع بین الصلوتین مندرجہ ذیل صورتوں میں فقہاء کے اختلاف کے ساتھ جائز ہے۔

1: مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کے ایک گروہ کے نزدیک مریض کے لیے جمع بین الصلوتین کی اجازت ہو گی۔

2: حنابلہ کے نزدیک مستحاضہ عورت کے لیے جمع بین الصلوتین جائز ہے

3: احناف کے علاوہ فقہاء سبعہ، ائمہ ثلاثہ اس بات پر متفق ہیں کہ تیز بارش میں جمع بین الصلوتین جائز ہے۔ اس بات میں اختلاف موجود ہے کہ آیا عذر افتتاح صلوٰت کے وقت کا معتبر ہو گا یا درمیان میں بھی اگر پیش آجائے وہ بھی معتبر ہو گا جمہور کے نزدیک عذر کا افتتاح نماز میں پایا جانا ضروری نہیں ہے وہ جس وقت لاحق ہو گا اس کا اعتبار کیا جائے گا لیکن بعض شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ عذر کا افتتاح نماز میں ہونا ضروری ہے۔

4: خوف کے وقت حنابلہ، مالکیہ کے ایک قول کے مطابق اور بعض شوافع کے نزدیک جمع بین الصلوتین جائز ہے، اور احناف، اکثر شوافع اور مالکیہ کے ایک قول کے مطابق خوف کی وجہ سے جمع بین الصلوتین جائز نہیں ہے۔

5: حنابلہ کے نزدیک مرضعہ کو اگر ہر نماز میں کپڑے بدلنے یا انھیں دھونے کی نوبت آجائے اور یہ اس کے لیے مشکل ہو تو جمع بین الصلوتین جائز ہے۔

6: حضر میں مشقت اور تکلیف کی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اور ابن تیمیہؒ کے نزدیک جمع بین الصلوتین جائز ہے۔[25]

فقہاء کے درمیان اس بات کا اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا جمع حقیقی جائز ہے یا جمع صوری جائز ہے۔ احناف جمع صوری کے قائل ہیں یعنی پہلی نماز کو آخری وقت میں پڑھنا اور دوسری نماز کو شروع وقت میں پڑھ لینا اور ائمہ ثلاثہ جمع حقیقی کے قائل ہیں یعنی نمازوں کو ایک دوسرے کے وقت میں تقدیم اور تاخیر کے ساتھ جمع کر لینا۔ احناف اپنے مؤقف کی دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے اسے یاد کرو اور جب اطمینان پالو تو نماز قائم کرو۔ بے شک ہم نے نماز کو مومنوں پر وقت مقرر میں فرض کیا ہے۔[26] احناف سورہ نساء کی آیت خوف سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اس حالت میں بھی نماز میں تخفیف کی ہے لیکن نمازوں کے اوقات میں ردوبدل نہیں کی۔[27] احناف چند آثار سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے خندق والے دن عصر کی نماز کے فوت ہو جانے کی وجہ سے کفار مکہ کیلئے بددعا کی تھی جو اس بات کی مظہر ہے کہ نماز کا اس کے وقت پر ادا کرنا ہی لازم ہے[28] اور کہتے ہیں کہ دیگر آثار بھی یہی بتلاتے ہیں کہ آپؐ جمع صوری کیا کرتے تھے۔ چنانچہ عقیل اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مغرب کو مؤخر کرتے یہاں شفق غائب ہو جاتی اور پھر عشاء کے ساتھ اسے پڑھتے۔[29] احناف کہتے ہیں یہ تاخیر اصل میں جمع صوری کیلئے ہی اختیار کی جاتی تھی۔ ائمہ ثلاثہ بھی چند آثار وروایات سے استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دو نمازوں کو جمع کرنے کا ارادہ کرتے تو ظہر کو لیٹ کرتے یہاں تک کہ عصر کا وقت شروع ہو جاتا اور پھر اسے عصر کے ساتھ پڑھ لیتے تھے[30] وہ فرماتے ہیں کہ آپؐ اس وقت اسے مؤخر کرتے

تھے جب تک عصر کا وقت شروع نہیں ہو جاتا تھا اس سے پتا چلتا ہے کہ آپ جمع حقیقی کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت معاذؓ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کیلئے نکلے، ہم نے ظہر اور عصر اکٹھے پڑھی اور کہیں پر مغرب اور عشاء اکٹھے پڑھی۔ اس اثر سے بھی پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمع حقیقی فرما رہے تھے۔[31] حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ سفر میں نکلتے تو سورج جب ڈھل جاتا پھر آپ ظہر اور عصر اکٹھے پڑھتے۔[32] ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں اس اثر میں بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپؐ دونوں نمازوں کو حقیقتاً اکٹھے پڑھتے تھے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک تو بغیر عذر کے حضر میں بھی پڑھی جا سکتی ہے اس کا مستدل یہ اثر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے جب پوچھا گیا کہ آپؐ نے ایسے کیوں کیا تو آپؐ نے فرمایا تا کہ امت سے مشقت اور تکلیف کو اٹھا لیا جائے۔[33] لیکن امام مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ اس مؤقف کو تسلیم نہیں کرتے۔ امام مالکؒ کا اس روایت پر صحیح ابن خزیمہ میں تبصرہ نقل ہوتا ہے کہ میں اسے مطر کی حالت میں جائز سمجھتا ہوں۔[34] علامہ ابن تیمیہؒ کے نزدیک جمع بین الصلوتین سفر میں جائز ہے لیکن اس صورت میں جب سواری پر سوار ہو یعنی سفر میں حالت سفر کے دوران ہی جمع بین الصلوتین کی اجازت ہے بصورت دیگر یعنی سفر میں حالت قیام کے دوران جمع بین الصلوتین کی اجازت نہیں ہو گی کیوں کہ ان کے نزدیک جمع بین الصلوتین کا سبب عذر اور مجبوری ہے بخلاف قصر کے، اس کا سبب ان کے نزدیک سفر ہے لہذا سفر چاہے کم ہو یا زیادہ قصر کی اجازت ہو گی لیکن جمع بین الصلوتین تبھی جائز ہو گی جب کوئی عذر درپیش ہو گا۔[35]

امامؒ کے نزدیک چوں کہ مطلق عذر علت ہے۔[36] اس لیے تیز بارش میں، مرض میں بھی جمع بین الصلوتین کی اجازت ہے۔[37] اور اس کی وجہ ارشاد فرماتے ہوئے کہتے ہیں اس سے مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی امت سے مشقت کو دور کیا جائے۔[38] باقی مطلق جواز کی نفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں "نمازیں اپنے اوقات میں ہی پڑھنی لازم ہیں کیوں کہ رسول اللہ ﷺ سے دواما یہی ثابت ہے، جمع بین الصلوتین آپ سے بہت کم جگہوں پر ثابت ہے اس لیے بوجہ عذر ہی اس کو اختیار کیا جائے گا۔[39] اور کہتے ہیں آپؐ سے جو بغیر عذر کے یعنی حالت قیام میں جو جمع بین الصلوتین ثابت ہے وہ بس ایک ہی حدیث سے ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ جمع بین الصلوتین کو جائز قرار دینے والے بھی اس معاملے میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں کہ لہذا امام مالکؒ اور احمدؒ سے منسوب ایک روایت کے مطابق قیام پزیر مسافر کے لیے جمع بین الصلوتین کی اجازت نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے جب کہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف مزدلفہ اور عرفہ میں جائز ہے۔[40]

نذر کا روزہ افضل دن کی طرف منتقل کر کے پورا کرنا

صورت مسئلہ: اگر کوئی شخص منت مان لیتا ہے کہ سوموار کو روزہ رکھے گا یا جس دن زید آیا اس دن کا روزہ رکھے گا اب زید سوموار کو آ جاتا ہے تو آیا منگل اور جمعرات کے روزہ کی افضلیت کی وجہ سے اسے یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ اپنا سوموار کا روزہ منگل یا جمعرات کو رکھ لے؟ آیا اس صورت میں صرف سوموار کو رکھنا ضروری اور افضل ہو گا یا منگل اور جمعرات کو روزہ رکھنا افضل ہو گا؟ فقہاء اربعہ کے نزدیک اگر کوئی شخص متعین دن، مہینے یا سال کی نذر مانتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسی متعین دن، مہینے اور سال میں اپنی نظر پوری کرے اگر بلا عذر اس میں تاخیر کرے گا تو اس کی قضا لازم ہو گی۔

نذر کا معنی و مفہوم: نذر کا لغوی معنی وعدہ کرنا ہے چاہے وہ خیر کا ہو یا شر کا ہو یعنی کوئی شخص وعدہ کر لیتا ہے کہ میں فلاں کام لازمی طور پر

کروں گا چاہے وہ کوئی اچھا کام ہو یا برا کام ہو۔[41] اور شریعت مطہرہ میں نذر نام ہے کسی خیر کے کام کو خود پر لازم کر دینے کا۔ نذر کے ارکان کتنے ہیں اس میں احناف اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک نذر کا ایک ہی رکن ہے اور وہ ہے دلالت کرنے والا صیغہ یعنی جس کے ساتھ اس نے خود پر چیز کو لازم کیا۔[42] ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نذر کے تین ارکان ہیں۔

1: ناذر، جس نے نذر مانی ہو 2: منذور، جس چیز کی نذر مانی ہو۔ 3: صیغہ ءنذر، جس لفظ کے ساتھ نذر مانی جائے۔[43]

نذر کس شخص کی درست ہو گی اس میں جمہور فقہاء کا مؤقف وھبہ ذہیلیؒ درج بالا عبارت میں بیان کر رہے ہیں کہ ہر مکلف مسلمان کی نذر درست ہو گی لہذا اگر بچہ نذر مانتا ہے، مجنون یا پاگل شخص مانتا ہے تو اس کی نذر درست نہیں ہو گی۔

منذور بننے کے لیے کون سی صلاحیت درکار ہوتی ہے۔

1: ایسی چیز منذور بن سکتی ہے جو حسی طور پر متصور بھی ہو۔ جو چیز حسی طور پر متصور نہ ہو سکتی ہو وہ منذور نہیں بن سکتی جیسے رات کا روزہ یا حیض کے دنوں میں روزہ رکھ لینا۔ یہ دونوں حسی طور پر شریعت میں متصور نہیں ہوتے اس لیے ان چیزوں کی نذر درست نہیں ہو گی۔[44]

2: منذور صرف وہی کام بن سکتا ہے جو اللہ تعالی کے قرب کا باعث ہو مثلا نذر مانے نماز، روزہ اور حج وغیرہ کی۔ اگر کوئی شخص معصیت کی نذر مانے گا تو اس نذر کو پورا نہیں کیا جائے گا مثلا کوئی شخص کہتا ہے کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اللہ کے لیے شراب پیوں گا۔ اس نذر کو پورا نہیں کیا جائے گا کیوں کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ نذر معصیت میں نہیں ہوتی اور نہ ہی اس چیز میں جس کا بنی آدم مالک نہیں ہے۔[45]

3: منذور صرف ایسی چیز کو بنایا جا سکتا ہے جو بذات خود مقصود ہو اور بغیر کسی واسطے کے قربت کا باعث بنتی ہو جیسے نماز، روزہ یا حج وغیرہ۔ ایسی چیزیں جو خود مقصود اصلی نہیں ہیں وہ منذور نہیں بن سکتیں جیسے مریض کی عیادت، جنازہ میں شریک ہونا، وضو کرنا، میت کی تجہیز و تکفین کرنا، مسجد میں داخل ہونا، مصحف کو چھونا یا اذان دینا وغیرہ کیوں کہ یہ کام بذات خود تو شریعت کا مقصود ہی نہیں ہیں۔ یمین کا پورا کرنا بذاتہ مقصود ہے لہذا اس کو منذور بنایا جا سکتا ہے۔ پس جو عبادت یا اطاعت بذات خود شریعت میں مقصود نہیں ہے وہ منذور نہیں بن سکتی۔[46]

امام شافعیؒ اس معاملے میں اختلاف رکھتے ہیں وہ فرماتے ہیں؛ منذور ہر وہ چیز بن سکتی ہے جو اللہ کے قرب کا ذریعہ ہو چاہے اپنی اصل کے اعتبار سے وہ کام مقصود اصلی نہ بھی ہو لہذا مریض کی عیادت کرنا، جنازہ میں شریک ہونا، غیر پر سلام پیش کرنا یا خود پر جب خالی گھر میں داخل ہو، پیاسے کو پانی پلانا اور آنے والے کا استقبال کرنا بھی منذور بن سکتے ہیں کیوں کہ شارع نے ان کاموں میں رغبت فرمائی ہے اور بندہ ان کے ساتھ تقرب حاصل کرتا ہے لہذا یہ بھی عبادات کی مثل ہیں۔[47]

پھر منذور دو قسم کا ہوتا ہے۔ مبہم اور معین۔ مبہم وہ ہوتا ہے جس میں منذور کی نوع متعین نہ ہو مثال کے طور پر اگر کوئی شخص نذر اس انداز میں مانتا ہے؛ "اللہ کے لیے مجھ پر نذر ہے" اب اس میں نوع واضح نہیں ہے۔ متعین چار قسم پر مبنی ہے۔

1: ایسے اعمال کی نذر ماننا جو اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔ اس نذر کو پورا کرنا لازمی ہے۔

2: ایسے اعمال کی نذر جو گناہ کا موجب ہیں۔ اس نذر کو پورا نہ کرنا لازمی ہے۔

3: ایسے اعمال کی نذر ماننا جو مکروہ ہیں۔ اس نذر کو پورا کرنا مکروہ ہے۔

4: ایسے اعمال کی نذر ماننا جو مباح ہیں۔ اس نذر کو پورا کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔[48]

علامہ کاسانیؒ جمہور کا مؤقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر نذر کو وقت متعین کے ساتھ منسوب کر دے جیسے کہے کہ اللہ کے لیے کل کا روزہ مجھ پر لازم ہے تو کل روزہ رکھنا اس پر لازم ہو گا کیوں کہ اس وجوب میں تعین وقت کی وجہ سے ادائیگی کے اعتبار سے تنگی پیدا ہو گئی ہے یعنی بس اب اسی وقت میں اسے پورا کرے گا، تاخیر کی اجازت نہیں ہو گی اس لیے اگر اس نے کہا کہ "اللہ کے لیے رجب کے روزے مجھ پر لازم ہیں" تو آنے والے پہلے رجب کہ روزے ہی اس پر لازم ہوں گے چاہے اس نے یہ تعیین کی ہو یا نہ کی ہو۔ اگر اس نے پہلے رجب کے روزوں میں اپنی نذر پوری نہ کی تو اس پر وہ قرض کی مانند ہو جائے گی جس کا لوٹانا لازم ہو تا ہے۔[49] علامہ ابن تیمیہؒ کے نزدیک نذر کے روزہ میں افضل دن کی طرف انتقال کرنا جائز ہے بلکہ افضل ہے۔ مجموع الفتاوی میں لکھتے ہیں جب منگل یا جمعرات کے روزہ کو کسی اور دن کی طرف منتقل کرے تو ایسے دن کی طرف کرے جو افضلیت والا ہو اور اس انتقال کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے اور ظاہر بات یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ اپنے مؤقف کو مبرہن کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس طرح اگر کوئی شخص ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کی دعا مانگتا ہے جس میں نماز پڑھنا افضل ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ایسی مسجد میں نماز پڑھ لے جس میں اس کی متعین کردہ مسجد کی نسبت نماز پڑھنا زیادہ افضل ہو جیسے اگر کوئی شخص یہ نذر مانتا ہے کہ وہ مسجد اقصی میں نماز پڑھے گا اب اس کے لیے جائز ہے کہ وہ مسجد حرام میں نماز پڑھ کر اپنی نذر کو پورا کر لے۔[50]

علامہ ابن تیمیہؒ اصل میں اپنی دلیل کا مستدل ان احادیث کو بنا رہے ہیں:

1: حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص آپؐ کے پاس آیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اللہ کے لیے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ آپ کو مکہ کی فتح عطا فرمائیں گے تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہیں نماز پڑھ لے، اس نے پھر اپنی نذر بیان کی تو پھر آپ نے فرمایا کہ یہی نماز پڑھ لے اس نے پھر اپنی نذر بیان کی تو پھر آپ نے فرمایا یہی نماز پڑھ لے۔ اس نے عرض کی کہ آپ کی ہی یہ شان ہے کہ اجازت مرحمت فرمادیں۔[51]

2: حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت بیمار ہو گئی، اس نے نذر مانی اگر اللہ اسے شفا دے تو وہ بیت المقدس میں نماز پڑھے گی۔ اسے اللہ نے شفا دے دی، وہ بیت المقدس جانے کے لیے تیار ہو گئی اور ملنے کے لیے ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے پاس آئی۔ آپ کو آکر سارے معاملے کی خبر دی تو اپ نے فرمایا یہیں آرام سے بیٹھ جاؤ اور سکون سے کھاؤ پیو! اور اپنی نذر کو پورا کرنے کے لیے مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو کیوں کہ میں آپؐ سے سنا ہے کہ اس میں ایک نماز پر ھنا کعبۃ اللہ کے علاوہ دیگر مساجد میں ایک ہزار نماز پڑھنے سے افضل ہے۔[52]

علامہ ابن تیمیہؒ کا طریقہ استدلال یہ ہے کہ جب نذر نماز کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف صرف اس لیے منتقل کیا جا سکتا ہے کہ وہاں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے تو نذر روزہ کو عام دن سے منگل یا جمعرات کے دن منتقل کیوں نہیں کیا جا سکتا جب کہ ان دنون میں روزہ رکھنا عام دنوں سے زیادہ افضلیت کا باعث ہے۔

2: بعض مسائل میں امام ابن تیمیہ رح فقہاء اربعہ سے اختلاف کرتے ہیں لیکن دیگر فقہاء کی آراء پر اپنی رائے استوار کرتے ہیں مثلاً خمس

الخمس نہ ملنے کی صورت میں بنی ہاشم کا زکوۃ لینا

صورت مسئلہ: بنی ہاشم میں سے اگر کسی شخص کو بیت المال میں سے خمس الخمس نہیں ملتا اور اس کی مالی حالت کمزور ہے تو اس صورت میں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے آیا وہ زکٰوۃ لے سکتا ہے یا نہیں ؟زکوۃ مندرجہ ذیل لوگوں کو دی جاسکتی ہے:

1: جو شخص فقیر ہو اسے زکوۃ دی جاسکتی ہے۔ غنی کو زکٰوۃ صرف چار صورتوں میں دی جاسکتی ہے۔

i. غنی شخص بطور عامل زکٰوۃ کام کر رہا ہو تو اس صورت میں چوں کہ اس نے خود کو اس کام کے لیے وقف کر رکھا ہے تو اس صورت میں اسے اجرت کے طور پر زکٰوۃ میں سے حصہ دیا جاسکتا ہے۔

ii. مسافر شخص اگر وہ مالی طور پر کمزور ہے اور اپنی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا تو اس صورت میں اسے بھی زکٰوت دی جاسکتی ہے، چاہے وہ شخص مالدار کیوں نہ ہو کیوں کہ یہاں پر اس کے پاس کوئی مال نہیں ہے اس لیے وہ بھی غریب کے حکم میں ہوگا۔

iii. تالیف قلب کے لیے بھی زکوۃ دی جاسکتی ہے یعنی کوئی شخص مسلمان نہیں ہے لیکن مسلمانوں کے ساتھ تعلقات درست ہیں اور آثار اس کے مسلمان ہونے کے بھی ہیں تو ایسے شخص کو تالیف قلب کے لیے زکوۃ دی جاسکتی ہے۔

iv. اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کو زکوۃ دی جاسکتی ہے کیوں کہ اس شخص نے خود کو اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے وقف کر رکھا ہے اس لئے اس کی مالی معاونت ضروری ہے جو زکوۃ کے مال سے بھی کی جاسکتی ہے۔ آخر الذکر دونوں صورتیں امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کے ہاں ہیں۔[53]

2: مستحق زکوۃ مسلمان ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنے اغنیاء سے لو اور غرباء کو دو تو اس میں دینے کا حکم مسلمانوں کے لیے کہ انھیں دو اس لیے مسلمان مستحق کو ہی زکوۃ دی جائے گی، کافر کو نہیں دی جائے گی۔ امام مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تو تالیف قلب کے لیے دینا بھی جائز نہیں۔[54] امام ابو حنیفہؒ کی رائے اس بارے میں یہ ہے کہ تالیف قلب کے لیے انھیں زکوۃ دی جاسکتی ہے کیوں کہ اللہ تعالی قران مجید میں فرماتے ہیں کہ "اگر تم اعلانیہ اپنے صدقات فقراء کو دو تو اچھا ہے اور اگر تم چھپا کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے"۔ اس آیت میں فقراء کے درمیان تفریق نہیں کی گئی کہ مسلمان فقیر کو تو دینا ہے لیکن کافر فقیر کو نہیں دیا جاسکتا۔[55]

3: ایسا قریبی رشتہ دار نہ ہو جس کے اخراجات زکوۃ دینے ولے کے ذمہ ہوں۔ کیونکہ اس صورت میں یہ زکوۃ کسی غریب کو نہیں جائے گی بلکہ خود زکوۃ دینے والے کی جانب لوٹ آئے گی مثلا کوئی شخص اپنی والدین یا اولاد کو زکوۃ دے دیتا ہے تو اس صورت میں وہ ان اخراجات کی ادائیگی سے خود کو بری کر لیتا ہے جو ادا کرنا اس پر لازم تھے اس لیے یہ زکوۃ کسی مستحق کی طرف جانے کی بجائے خود اس کی طرف لوٹ رہی ہے۔[56] لیکن اگر شوہر غریب ہو تو اس صورت میں امام شافعی، مالکؒ صاحبین کے نزدیک بیوی اپنے شوہر کو زکوۃ دے سکتی ہے کیوں کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی بیوی کو آپ نے اس بارے میں اجازت مرحمت فرمائی تھی اور امام ابو حنیفہؒ اور حنابلہ کے نزدیک وہ نہیں دے سکتی۔[57]

4: زکوۃ جس کو دی جائے وہ بالغ ہو، عاقل ہو اور آزاد ہو۔ غلام کو تو متفقہ طور پر زکوۃ نہیں دی جاسکتی کیوں کہ اس کو جو بھی مال دیا جائے گا وہ اس کے مالک کے قبضہ میں چلے جائے گا۔ احناف کے نزدیک صغیر غیر مراہق، مجنون کو اس وقت زکوۃ دی جاسکتی ہے جب ان کا مربی ہو[58] شوافع کے نزدیک بالغ ہو، عاقل ہو اور صالح ہو اس لیے بچہ کو، مجنون کو اور تارک الصلوۃ کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی ہے۔[59] مالکیہ کے نزدیک بالغ ہونا شرط ہے اس لیے بچہ کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی۔[60] حنابلہ کے نزدیک کبیر اور صغیر دونوں کو دی جاسکتی ہے چاہے وہ خود کھا سکتا ہو یا نہ کھا سکتا ہو

اگر اس کا ولی موجود ہو اور یہی حکم مجنون کا ہے۔[61]

5: زکوٰۃ ایسے شخص کو نہیں دی جائے گی جو بنی ہاشم سے تعلق رکھتا ہو۔

فقہاء اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ بنو ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی کیوں کہ زکوت لینا ان پر حرام ہے اس لیے کہ یہ لوگوں کا بچا کھچا لینا درست نہیں ہے مال ہوتا ہے یعنی مال کو میل سے بچانے کے لیے زکوٰۃ نکالی جاتی ہے اور یہ میل بنی ہاشم کو دینا یا ان کا لینا درست نہیں ہے۔[62]اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ "یہ صدقات لوگوں کے مال کی میل ہیں جو محمد ﷺ کے لیے حلال نہیں ہے اور آپؐ کی آل کے لیے بھی حلال نہیں ہے۔[63]بنی ہاشم میں کون کون داخل ہے اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ حنابلہ کے نزدیک اور احناف میں سے امام کرخیؒ کے مطابق یہ خاندان بنی ہاشم میں داخل ہیں۔1۔ حضرت عباسؓ کی اولاد 2۔ حضرت حارث بن عبد المطلب کی اولاد 3۔ حضرت علیؓ ابن طالب کی اولاد 4۔ حضرت جعفرؓ بن عبد المطلب کی اولاد 5۔ حضرت عقیلؓ بن عبد المطلب کی اولاد[64]اس معاملے میں امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے۔[65] امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اس معاملے میں صرف بنو ہاشم کا اعتبار کیا جائے گا۔بنو مطلب اگرچہ بنو ہاشم کے بھائی ہیں، لیکن وہ اہل بیت میں داخل نہیں ہیں لہذا انھیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔[66]اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اہل بیت کی تعیین میں اختلاف کے باوجود اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جو بھی اہل بیت میں شامل ہے اسے کسی بھی صورت میں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ہاں کسی اور طریقے سے اس کی مدد کی جاسکتی ہے۔

امام ابن تیمیہؒ لیکن اس معاملے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ان کے نزدیک عام حالات میں تو یہی حکم ہے کہ اہل بیت کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی لیکن اگر انھیں بیت المال میں سے جو خمس الخمس ملتا ہے وہ کسی وجہ سے ملنا بند ہو جائے اور حال یہ ہو کہ انھیں ضرورت بھی ہو تو اس صورت میں انھیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔[67]معلوم ہوا کہ فقہاء اربعہ میں سے تو کسی کی رائے ایسی نہیں ہے لیکن ان کے علاوہ کچھ فقہاء کی بھی یہی رائے ہے جیسے قاضی یعقوبؒ، امام ابو یوسفؒ، ابو صالحؒ، نصر بن عبد الرزاق اور ابو طالب بصریؒ۔

3: بعض مسائل میں علامہ ابن تیمیہؒ فقہاء اربعہ میں سے کسی کی ایک کی یا اکثر کی آراء کے مطابق رائے قائم کرتے ہیں۔ جیسے مندرجہ ذیل مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

قضائے حاجت کے دوران قبلہ کی جانب چہرہ یا پشت کرنے کی ممانعت

قبلہ کی جانب قضائے حاجت کے دوران چہرہ یا پشت کرنا کیسا ہے؟ کیا آبادی اور کھلی فضا کا حکم ایک ہے یا مختلف ہے؟ان مقامات پر پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔1: مسجد۔2: قبر۔3: راستے پر جو عام لوگوں کی گزر گاہ ہو۔4: سوراخ میں، پتھر اور لید پر پیشاب کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔استنجاء کے دوران ایک ادب جو واجب کے درجہ میں ہے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قبلہ کی جانب رخ نہ کرے۔ البتہ فقہاء کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا قبلہ کی جانب چہرہ وپشت دونوں کرنے منع ہیں یا صرف چہرہ اور آبادی و میدان یعنی کھلی فضا کا حکم ایک ہی ہو گا یا الگ الگ ہو گا۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کی رائے یہ ہے کہ کھلی فضا میں تو چہرہ اور پشت دونوں قبلہ کی جانب نہیں کیے جا سکتے اور آبادی میں استقبال جائز ہے۔امام احمدؒ کا مشہور مسلک یہ منقول ہوتا ہے کہ استدبار دونوں حالتوں میں جائز ہے اور استقبال دونوں حالتوں

میں منع ہے۔احناف کی رائے اس معاملے میں یہ ہے کہ قبلہ کی جانب قضائے حاجت کے دوران چہرہ و پشت آبادی اور کھلی فضا ہر دونوں میں کرنا ممنوع ہے۔

الاختیارات الفقہیہ للترمذی میں امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق آتا ہے۔[68] امام شافعیؒ کے نزدیک آپؐ کا یہ ارشاد گرامی کہ قبلہ کی جانب نہ چہرہ کرو اور نہ ہی پشت اصل میں کھلے میدان کے بارے میں ہے جب کہ بیت الخلاء میں استقبال قبلہ جائز ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے رخصت ملتی ہے اس بات کی کہ آبادی میں قبلہ کی جانب پشت کی جاسکتی ہے۔ان حضرات کا مستدل عبد اللہ بن عمرؓ کا اثر ہے عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپؐ کو اپنے باڑے میں دیکھا۔آپ نے قبلہ کی جانب چہرہ کر رکھا تھا۔[69] امام احمد بن حنبلؒ سے المغنی میں کا مسلک یہ سامنے آتا ہے کہ قضائے حاجت کے دوران قبلہ کی جانب پشت عمارت اور کھلی فضا دونوں میں جائز ہے اور ان کا مستدل مذکورہ روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ سے قبلہ کی جانب آپ کا چہرہ مبارک تھا۔[70] امام مالکؒ اور امام شافعیؒ منع استقبال و استدبار والی روایت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ کے اس ارشاد گرامی کا تعلق کھلی فضا کے بارے میں ہے۔امام محمدؒ مؤطا امام محمد میں احناف کا مسلک بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ دونوں ناجائز ہیں، چاہے عمارت میں قضائے حاجت کرے یا کھلی جگہ پر قضائے حاجت کے لیے جائے۔باقی جہاں تک ابن عمرؓ کی حدیث کی بات ہے اس میں کئی معانی ہیں 1: یہ فعل ہے اور فعل کبھی قول کے معارض نہیں ہو سکتا۔2: فعل کے لیے کوئی صیغہ استعمال نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک حالت کا بیان ہے اور حالتوں کے بیان میں کئی مسائل اور معذوریاں لاحق ہوتی ہیں جب کہ قول کو ایسی مجبوریاں لاحق نہیں ہوتی۔3: قول شرع ہے اور فعل عادت ہے اور شرع عادت پر مقدم ہوتی ہے۔4: یہ معاملہ ستر کا ہے اور ستر میں استتار ضروری ہے یعنی اب ایسی اچانک حالت میں پوری کیفیت کو ضبط کرنے میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔[71]

علامہ ابن تیمیہؒ اس معاملے امام شافعیؒ، مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ کے دونوں قولوں سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قبلہ کی جانب استقبال اور استدبار دونوں ناجائز ہیں اور عمارت میں بھی ناجائز ہیں اور کھلی فضا میں بھی ناجائز ہیں اور فرماتے ہیں کہ اور وہ دونوں احادیث جس میں سے ایک میں یہ آیا ہے کہ مغرب کی جانب کرلو مشرق کی جانب نہ کرو اور دوسری میں یہ آیا ہے کہ مشرق کی جانب کرلو مغرب کی جانب نہ کرو، نادرست ہیں۔آپؒ سے سوال کیا گیا آپؐ کے اس فرمان مبارکہ کے بارے میں کہ مغرب کی جانب منہ کرو نہ کہ مشرق کی جانب اور بعض روایت کرتے ہیں کہ مشرق کی جانب کرو نہ کہ مغرب کی جانب تو جواب فرمایا "یہ دونوں حدیثیں من گھڑت ہیں۔[72]

زکوٰۃ کی ادائیگی میں مال کی بجائے قیمت ادا کرنا

صورت مسئلہ: اگر کوئی شخص مال دینے کی بجائے یعنی، بکری، اونٹ، بھینس، سونا اور چاندی دینے کی بجائے زکوٰۃ کی ادائیگی پیسوں کے ساتھ کرتا ہے یعنی جو اس کی قیمت بنتی ہے وہ ادا کر دیتا ہے تو اس صورت میں حکم کیا ہو گا؟ آیا یہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ زکوٰۃ جن چیزوں پر واجب ہوتی ہے ان ہی چیزوں سے نکالی جاتی ہے اور زکوٰۃ مندرجہ ذیل چیزوں پر واجب ہوتی ہے؛ 1: نقود۔2: سونا، چاندی وغیرہ۔3: سامان تجارت۔4: پھل اور فصلیں۔5: جانور، اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ۔[73] لہذا ان پانچ چیزوں سے زکوٰۃ نکالی جائے گی لیکن اگر کوئی شخص ان چیزوں کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے کی بجائے قیمت ادا کر دیتا ہے تو کیا اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ اس معاملے میں فقہاء کرام کے

درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

علامہ کاسانیؒ احناف کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ احناف کے ہاں زکوٰۃ کے بارے میں ایک اصول پایا جاتا ہے کہ زکوٰۃ میں ایک جزء واجب ہوتا ہے نصاب سے، جو صورتا (عین) اور معنا (قیمت) دونوں حالتوں میں واجب ہوتا ہے یا صرف معنا ہوتا ہے اس لیے زکوٰۃ میں قیمت کا ادا کر دینا جائز ہے، یہی حکم عشر، خراج، فطرانہ، نذر اور غیر عتاق کفارے کا ہے۔ہاں قیمت کا وجوب کس دن کے اعتبار سے ہوگا اس میں احناف کے درمیان اختلاف ہے۔امام اعظم ابو حنیفہؒ کی رائے میں جس دن زکوٰۃ واجب ہوئی ہے اس دن کا اعتبار کیا جائے گا۔صاحبین کی رائے میں جس دن وہ زکوٰۃ ادا کرے گا اس دن کا اعتبار کیا جائے گا۔جانوروں میں بالاتفاق ادائیگی کے دن کا ہی اعتبار ہی ہوگا۔اور اس قیمت یا مال کے وجوب کا اعتبار اسی شہر کے لحاظ سے ہوگا جس میں وہ مال موجود ہے۔جس کی وجہ حدیث ہے جس میں آپؐ نے اس شخص سے ناراضی کا اظہار فرمایا تھا جس نے بڑے اونٹ کو بطور زکوٰہ کے وصول کیا تھا اور فرمایا تھا کہ کیا میں نے تمہیں منع نہیں تھا کہ لوگوں کا اچھا مال نہیں لینا۔اس پر انھوں نے گزارش کی کہ میں نے دو اونٹوں کے بدلے اس ایک کو لیا ہے یہ سن کر آپؐ خاموش ہو گئے۔[74] احناف کہتے ہیں اصل میں عامل نے زکوٰہ قیمتا وصول کی تھی کیوں کہ ان دو اونٹوں کی قیمت کے برابر اس ایک اونٹ کی قیمت کی تھی۔دوسرا اگر کسی دیہی علاقہ میں ہے تو اس صورت میں جو قریبی شہر ہوگا اس کا اعتبار ہوگا کیوں کہ اس میں ایک تو زکوٰۃ دینے والوں کو آسانی ہے اور دوسرا فقیر کا احترام بھی ملحوظ رہتا ہے۔

جمہور کا مسلک بیان کرتے ہوئے کاسانی فرماتے ہیں کہ جمہور کی اس بارے میں رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں قیمت ادا کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ یہ اللہ تعالی کا حق ہے جو نص کے ساتھ معلق ہے اس لیے اسے کسی دوسری چیز کی طرف منتقل نہیں کیا جائے گا جیسے قربانی میں ہم صرف جانور ذبح کر کے ہی حکم پورا کرتے ہیں اور اسے کسی اور ذریعے سے پورا نہیں کر سکتے۔دوسرا فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ اللہ تعالی کے قرب کا ذریعہ ہے اور ہر وہ چیز جو اس قسم کا تعلق رکھے گی اس میں من و عن اللہ کے حکم کی پیروی ہی کی جائے گی۔تیسرا آپ ﷺ نے فرمایا تھا؛ چالیس بکریوں میں ایک بکری، دو سو دراہم میں پانچ درہم زکوٰہ ادا ہوگی جب کہ اللہ تعالی بھی فرمارہے ہیں کہ زکوٰہ ادا کرو، جس کا مطلب یہ ہے کہ بکری کا گویا حکم دیا گیا ہے یعنی اس معاملے میں بکری ہی ادا کی جائے گی۔[75] اسی طرح آپؐ نے فرمایا تھا کہ گندم میں گندم، بکریوں میں بکری، اونٹوں میں اونٹ بطور زکوٰۃ وصول کیا جائے گا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زکوٰۃ انھیں چیزوں کے ذریعے ادا کی ائے گی اور قیمت کی طرف تجاوز نہیں کیا جائے گا۔کیوں کہ قیمت وصول کرنا اصل میں ایسے چیز کا وصول کرنا ہے جو مامور ہی نہیں ہے اس لیے یہ اصل حکم سے عدول کرنا ہے۔جس طرح ردی کے بدلہ جید نہیں لیا جاسکتا اس طرح یہ بات طے ہے کہ عین کے بدلے قیمت وصول نہیں کی جاسکتی۔[76]

علامہ بہوتیؒ شوافع کا مسلک بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ شوافع کے نزدیک قیمت پانچ صورتوں میں نکالی جاسکتی ہے: 1: سامان تجارت کی زکوٰہ میں۔2: مجبوری میں یعنی واجب چیز موجود نہیں ہے۔3: اونٹوں کے نصاب کی عدم موجودگی میں قیمتا بکری وغیرہ نکالنا 4: جانور کے جسمانی تفاوت سے بننے والے نصاب کے تفاوت کو پورا کرنے کے لیے۔5: اگر مستحق کو جلدی ہو اور قیمت وصول کرنا اس کے حق میں مفید ہو۔[77] مجموع فتاوی میں ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں دراہم کے زریعے زکوٰۃ ادا کرنے میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ درست ہے لیکن قیمت کے معاملے میں اختلاف ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک قیمت کے ذریعے زکوٰۃ ادا کرنا جائز

نہیں ہے۔امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قیمت کے زریعے زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے[78]۔امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مصلحت اور انفع للفقیر ہونے کی صورت میں قیمتاً زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے[79] اور پھر اپنی رائے دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے اعتدال والی صورت یہ ہے کہ اگر زکوٰہ لینے والا اس سے کوئی سامان خریدنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس صورت میں اچھا ہے کہ وہ سامان خریدے اور اسے دے دے[80] اور آگے چل کر اصول بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ تمام قسمیں جن میں اس قسم کی صورت حال ہے ،دراہم کو قیمت کے طور پر ادا کرنا جائز ہے۔اگر دراہم نہ ہوں تو ثمن قیمتاً ادا کرے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ جائز ہے۔اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ غریب کے لیے زیادہ خیر خواہی ہے دوسرا امام ابن تیمیہؒ اس معاملے میں مندرجہ ذیل استدلال بھی پیش کرتے ہیں کہ حضرت معاذؓ نے اہل یمن سے کہا تھا کہ یہ تمہاری مرضی ہے کہ مجھے خمیص یا لبیس میں سے جو مرضی دو پس اس بات کا خیال رکھو کہ جو تمہارے لیے ادا کرنا آسان ہو اور مدینہ کے مہاجرین وانصار کے لیے فائدہ مند ہو۔[81] اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ عین سے دینا یعنی زکوٰۃ والے مال کی جنس سے ادا کرنا لازمی نہیں ہے۔

اس مسئلے میں امام ابن تیمیہؒ کی رائے ائمہ ثلاثہ سے مختلف ہے کیوں کہ امام شافعیؒ اور مالکؒ تو سرے سے قیمتاً زکوٰۃ نکالنے کو جائز ہی نہیں سمجھتے اور احناف اسے مطلق جائز قرار دیتے ہیں سو ان کی رائے حنابلہ والی ہے کیوں کہ وہ جواز کی وجہ غریب کے ساتھ خیر خواہی اور ادائیگی میں آسانی بتلاتے ہیں۔

خلاصہ بحث

فقہی مسائل میں اختلاف رائے مسلمانوں کے ہاں عہد اول سے ہی موجود رہا ہے جو اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ ہمارے ہاں علمی مسائل میں مختلف آراء کو اپنانے، قبول کرنے یا کم سے کم انھیں برداشت کرنے کی روشن روایت ہمیشہ سے رہی ہے۔

اس مقالے میں ابن تیمیہ رح کی منفرد فقہی آراء کی نوعیت کا جائزہ لیا گیا ہے اور یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آپ کے ہاں عبادات کے باب مختلف مسائل میں دیگر فقہاء سے اختلاف کی نوعیت کیا ہے۔میں نے اس مقالے میں بتایا ہے کہ امام علیہ الرحمہ بعض مسائل میں اکثر سلف یعنی صحابہ تابعین کی جماعت سے بھی اختلاف کرتے ہوئے کسی ایک صحابی یا تابعی کی رائے پر اپنا رجحان اور فیصلہ سنا دیتے ہیں جیسے وتر کی حیثیت کو متعین کرتے ہوئے وہ اسے ایک طرف تو احناف کی طرح مطلقاً واجب نہیں مانتے اور دوسری طرف قیام اللیل کا اہتمام کرنے والوں کے لیے واجب مان کر ائمہ ثلاثہ سے بھی اختلاف کرتے ہیں بعض مسائل میں وہ فقہاء اربعہ سے تو اختلاف کرتے ہیں لیکن دیگر فقہاء کی رائے کو تسلیم کرتے ہیں۔جیسے اہل بیت کو زکواۃ دینے کے مسئلے میں وہ کہتے ہیں کہ مجبوری کی حالت میں انھیں دی جا سکتی ہے۔حالاں کہ فقہاء اربعہ کے نزدیک کسی صورت انھیں زکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔بعض مسائل میں وہ فقہاء اربعہ میں سے کسی ایک کی رائے کو یا اکثر کی رائے کو تسلیم کرتے ہیں جیسے قضائے حاجت کے وقت کعبہ کی جانب استقبال واستدبار کو وہ احناف کی طرح مطلقاً ناجائز سمجھتے ہیں۔

غرض علامہ ابن تیمیہ عبادات کے باب میں بعض مسائل میں اکثر صحابہ وتابعین کی آراء سے بھی منفرد رائے قائم کرتے ہیں، بعض مسائل میں فقہاء اربعہ سے اختلاف کرتے ہوے دیگر فقہاء کی رائے کو تسلیم کرتے ہیں اور بعض میں فقہاء اربعہ میں سے کسی کی رائے کو تسلیم کر لیتے ہیں۔

حوالہ جات

[1] سقاف ، سقاف علوی ، فقه العبادات ، الدرر السنیه ج : 1 ، ص : 189

[2] مروزی ، محمد بن نصر ، تعظیم قدر الصلاۃ ، مکتبه مؤسس الرسالة ، ج : 2 ، ص : 936

[3] المَنْبَجي ، علی بن زکریا ، اللباب في الجمع بين السنة والكتاب ، دار العلمية بيروت لبنان ، ج :1 ، ص : 155

[4] ایضا

[5] ابو شجاع ، محمد بن علي بن شعيب بن الدهان ، تقويم النظر في مسائل خلافية ذائعة ونبذ مذهبية نافعة، مكتبة دار التراث العربي بیروت ، ج :1 ، ص : 390

[6] دیلمی ، ابو عبدالله ، مصباح الظلام في معرفة أحكام الذبائح واللحوم في الإسلام، مکتبه دار السلام ، ج: 1 ، ص :97

[7] فقه العبادات ، علوی بن عبدالقادر سقاف ، ج : 1 ، ص : 189

[8] امام بخاري ، صحیح بخاری ، ج : 2 ، ص : 9

[9] امام مسلم ، صحیح مسلم ، ج : 3 ، ص : 456

[10] البیهقی، ابو الفضل محمد بن حسین ، معرفة السنن والآثار ، مکتبه دار عالم الکتب بیروت ، ج : 4 ، ص : 18

[11] مجموع فتاوی ، ابن تیمیه ، ج : 22 ، ص : 19

[12] ابن ہمام ، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی ، فتح القدیر، دار الکتب العلمیة ، بیروت ، ج : 1 ، ص : 102،107

[13] امام محمد ، محمد بن حسن الشیبانی ، الموطأ ، قدیمی کتب خانه ، آرام باغ کراچی ، ج :1 ، ص : 295

[14] ابن تیمیه ، مجموع فتاوی ، ج : 1 ، ص: 177

[15] الموصلي ، عبد الله بن محمود بن مودود الحنفي، الاختيار لتعليل المختار ، مكتبة التراث العربي بيروت ، ج :1 ، ص : 71

[16] امام أبو داود، سنن ابو داؤد ، ج : 1 ، ص : 202

[17] الصنعاني، المصنف ، ج : 3 ، ص : 24

[18] الطبراني ، سلیمان بن احمد بن ایوب ، العجم الکبیر، مکتبه ابن تیمیه ، ج : 14 ، ص : 277

[19] امام نسائی ، سنن نسائی ، ج : 6 ، ص : 167

[20] بیهقی ، معرفة السنن والآثار ، ج : 4 ، ص : 175

[21] امام مسلم ، صحیح مسلم ، ج :1 ، ص: 111

[22] ابن تیمیه ، مجموع الفتاوی ، ج :23 ، ص : 88

[23] ایضاً، ابن تیمیه ، مجموع الفتاوی ، ج : 23 ، ص : 84

[24] الفقه السلامی وادلته، وہبہ زہیلیؒ، جلد:2 صفحہ 502

[25] فقه العبادات، علوی سقاف، جلد: 1 صفحه 325

[26] النساء15: 103

[27] النساء15: 102

[28] صحيح البخاري، امام بخاریؒ، كتاب المغازی، باب یوم الخندق جلد: 3802

[29] سنن أبي داودو، امام داؤد، الجمع بين الصلوتين جلد: 1ح 1030

[30] صحيح مسلم، امام مسلمؒ، جواز الجمع بين الصلوتين جلد: 1 ح 1114

[31] صحيح مسلم، امام مسلم، الجمع بين الصلاتين فى الحضر، جلد: 1ح1149

[32] سنن البيهقى الكبرى، امام بیہقی، الجمع بين الصلوتين جلد: 1ح1686

[33] صحيح مسلم، امام مسلم، الجمع بين الصلوتين فى الحضر جلد: 1ح1151

[34] صحيح ابن خزيمة، ابن خزيمه، جمع بين الصلوتين، جلد: 4 ح 63

[35] مجموع الفتاوى، ابن تيميه، جلد: 22 صفحه 292

[36] مجموع الفتاوى، ابن تيميه، جلد: 24 صفحه 185

[37] مجموع الفتاوى، ابن تيميه، جلد: 22 صفحه 292

[38] مجموع الفتاوى، ابن تيميه، جلد: 22 صفحه 292

[39] مجموع الفتاوى، ابن تيميه، جلد: 24 صفحه 19

[40] مجموع الفتاوى، ابن تيميه، جلد: 22 صفحه 292

[41] وهبه زحيلیؒ، الفقه الاسلامی وادلته، ج: 4، ص: 190

[42] كاسانی، شیخ علاوالدین ابوبکر، بدائع الصنائع، مکتبه دارالعلم لبنان، ج: 5، ص: 81

[43] وهبه زحيلیؒ، الفقه الاسلامی وادلته، ج: 4، ص: 109

[44] كاسانی، بدائع الصنائع، ج: 5، ص: 82

[45] ابن رشد مالکیؒ، بداية المجتهد، ج: 1، ص: 409

[46] ابن ہمامؒ، فتح القدير، ج: 4، ص: 27

[47] شربینی، مغنی المحتاج، ج: 4، ص: 370

[48] وهبه زحيلیؒ، الفقه الاسلامی وادلته، ج: 4، ص: 110

[49] كاسانی، بدائع الصنائع، ج: 5، ص: 94

[50] ابن تيميه، مجموع الفتاوى، ج: 25، ص: 216

[51] امام ابوداؤد، سنن ابی داؤد، باب من نذر فی بيت المقدس، ج: 1، ص: 131

[52] امام مسلمؒ، صحيح مسلم، باب؛ فضل الصلوت بمسجدی مدينه وبمكة، ج: 1، ص: 57

[53] شربینی، مغنی المحتاج، ج: 3، ص: 112

[54] کاسانی ، بدائع الصنائع ، ج: 2 ، ص: 43

[55] وھبہ زحیلیؒ ، الفقہ الاسلامی وادلتہ ، ج: 2 ، ص: 83

[56] وھبہ زحیلیؒ ، الفقہ الاسلامی وادلتہ ، ج: 3 ، ص: 312

[57] ابن عابدین ، الدر المختار ، ج: 2 ، ص: 86، 90

[58] ابن عابدین ، الدر المختار ، ج: 2 ، ص: 81 ، 85

[59] شربینی ، مغنی المحتاج ، ج: 3 ، ص: 315

[60] مقدسی ، الشرح الکبیر ، ج: 1 ، ص: 494

[61] ابن قدامہ ، المغنی ، ج: 2 ، ص: 646

[62] وھبہ زحیلیؒ ، الفقہ الاسلامی وادلتہ ، ج: 3 ، ص: 311

[63] امام مسلم ، صحیح مسلم ، ج: 2 ، ص: 403

[64] کاسانی ، بدائع الصنائع ، ج: 2 ، ص: 49

[65] مالکی ، امیر مالکی ، شرح المجموع ، مکتبہ ریاض سعودی عرب ، ج 6ص 244

[66] ابو البرکات ، احمد بن محمد دردیر ، الشرح الصغیر ، مکتبہ علمیہ دمشق ، ج 1ص 659

[67] مرداوی ، ابو الحسن مرداوی ، الانصاف للمرداوی ، مکتبہ دار العلمیہ لبنان ، ج 3ص 255

[68] ترمذی ، محمد بن عیسی ، الإختیارت الفقھیة ، مکتبة دار العربي ریاض ، ج 1 ، ص3

[69] ابن ماجہ ، محمد بن یزید ، سنن ابن ماجہ ، مکتبہ رحمانیہ ، اردو بازار لاہور ، ج 1 ، ص 385

[70] ابن قدامہ ، موفق الدین ، المغني ، دار عالم الکتب ترکی ، ج 1 ، ص120

[71] امام بخاری ، صحیح البخاري ، ج 1 ، ص 405

[72] ابن تیمیہ ، مجموع فتاوی ، ج 21 ، ص 105

[73] زحیلی ، وھبہ زحیلی ، الفقہ الاسلامی والدتہ ، ج 3؛ ص 182

[74] کاسانی ، بدائع الصنائع ، ج 2 ، ص49

[75] کاسانی ، بدائع الصنائع ، ج 2 ، ص 25

[76] شوکانی ، محمد بن علی بن محمد شوکانی ، نیل الاوطار ، مکتبہ دار العلمیہ لبنان ، ج 4ص 152

[77] بھوتی ، منصور بن یونس بھوتیؒ ، کشاف القناع ، ج2 ص226

[78] ابن تیمیہ ، مجموع الفتاوی ، ج25 ، ص 79

[79] ایضا ، ص80

[80] ابن تیمیہ ، مجموع الفتاوی ، ج 25 ، ص 80

[81] ایضا ، ص 82،83